’’راجہ گِدھ‘‘:اسلامی فلسفہ رزقِ حلال و حرام

روبینہ کوثر

ABSTRACT:

The era in which the novel of Bhano Quddsia "Ragha Gidh" disclose, is an age of defeatism, moral backwardness and seduction of human personality. Inspite of evolution, a man himself is defeated by him own personality. His topic is moral decline of human. At earlier, a man used to search himself or God but it is the tragedy of a man of today that he does not even know that of which thing, he is searching for? The man of present age has been lost in materialism excessively. He himself has no perception about the thing that what he want. The concept of Bano Qudsia is that the confirmation of western philosophies and wrong action has put the man of today towards rack and ruin. She religiously instructs human search to persuade towards spirituality.

بانو قدسیہ کا ناول ’’راجہ گِدھ‘‘ ایک فلسفیانہ ناول ہے۔ ’’راجہ گِدھ‘‘ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ ناول میں مصنفہ نے ایک مخصوص نفسیاتی فلسفے پر بحث کی ہے۔ بظاہر ناول کے موضوع کا تعین دشوار عمل ہے تاہم مصنفہ نے ناول میں رزقِ حرام اور رزقِ حلال کا اسلامی فلسفہ بیان کیاہے۔ مصنفہ کے نزدیک معاشرہ اخلاقی و روحانی زوال کا شکارہے اور اس کی وجہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر معاشرے میں رزقِ حرام کو فروغ دینا ہےـناول کا انتساب قدرت اللہ شہاب کے نام ہے۔ ناول کو مصنفہ نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ شام سمے، عشقِ لاحاصل ۲۔ دن ڈھلے، لامتناہی تجسس ۳۔ دن چڑھے، رزقِ حرام

۴۔ رات کے پچھلے پہر، موت کی آگاہی

اگر وقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان ابواب کی تقسیم الٹی ہے۔ رات کے بعد دن کا آغاز ہوتا ہے اور دن ڈھلنے کے بعد شام پر اختتام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی کی ابتدا پیدائش سے موت تک کا سفر ہے لیکن مصنفہ نے اوقات کی ترتیب الٹ دی ہے جو بات ابتدا سے موجود ہے انسان اس کا ادراک اختتام تک پہنچ کر حاصل کر رہا ہے۔ اسی طرح انسان کی فطرت میں پیدا ہونے والی دیوانگی کا سراغ چار مختلف وجوہات بیان کر کے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی ذات میں پیدا ہونے والی دیوانگی عشق لا حاصل کی بدولت ہے۔ اس کی ادھوری خواہش اور آسودہ حسرتیں اسے پاگل پن یا دیوانگی کی حد تک لے جاتی ہیں۔ اس کے بعد ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ انسان کے اندر کسی چیز کو جاننے کا تجسس اور سوالات جب وہ ان کے جوابات تلاش کرنے سے محروم رہتا ہےـدیوانگی کی اصل وجہ ہےـناول کا مرکزی کردار قیوم ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے دیوانگی یا

پاگل پن کے اصل راز کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے وہ اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ دیوانگی رزقِ حرام کی بدولت ہے۔ انسانی سرشت کا حرام کاری کی طرف ملوث ہونا دراصل دیوانگی کی اصل وجہ ہے لیکن ان تمام تجربات کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دراصل انسان کا جو اختتام ہے اس کا موت کی طرف سفر اور انسانی زندگی کی بے ثباتی یہ دیوانگی کی اصل وجہ ہے۔ مصنفہ نے ان چاروں وجوہات کے گرد دائرہ بناتے ہوئے بحث کی ہے کہ دیوانگی کا اصل محرک کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد افضال بٹ’’ اردو ناول میں سماجی شعور ‘‘میں لکھتے ہیں:

’’مصنفہ روح کی پاکیزگی کو معاشرے کے لیے لازمی قرار دیتی ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مغربی فلسفوں اور انسانی بد اعمالیوں نے روح کو زخمی کر دیا ہے اور اس زخمی روح کا علاج فرائیڈ کے نسخوں میں نہیں بلکہ اس کے لیے تصوف و روحانیت کا مرہم لگانا ضروری ہے۔ وہ انسانی جستجو کو روحانیت کا لباس پہنا کر معاشرے کو بہتر سمت کی طرف رواں دواں کرنا چاہتی ہیں۔ وہ انسان جو مادہ پرستی میں کھو چکا ہے۔ زمان و مکان کے چکر میں پڑ کر حقیر شے بن کر رہ گیا ہے۔ اس با مقصد جستجو کی بدولت زمان و مکان سے بلند کرنا چاہتی ہیں۔ انھوں نے انسان کی تخلیق، اس کے ذہنی اور فکری ارتقاء پر مدلل بحث کی ہے جس میں انسان کی جنسی نفسیات اس کی تہذیب کا تعلق فکری طور پر تصوف و روحانیت سے جوڑنا مقصود سمجھتی ہیں۔‘‘(۱(

روحانیت کے تصور کے بغیر انسانی زندگی کھوکھلی ہے بلکہ روح کے ساتھ انسان کا وجود ممکن ہے تو پھر اس کا پاکیزہ ہونا بھی لازمی امر ہے لیکن موجودہ دور کے انسان نے اپنی بد اعمالیوں کی بدولت اسے بری طرح مجروح کر رکھا ہے۔ بانو قدسیہ بھی آج کے دور کے انسان جو مادہ پرستی میں ڈوب چکا ہے کو اس سے باہر نکالنا چاہتی ہیں۔نیلم فرزانہ بانو قدسیہ سے لیے گئے ایک انٹرویو میں گفتگو کو اپنی کتاب’’اردو ادب کی خواتین ناول نگار‘‘ میں ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

’’میں سمجھتی ہوں استدلال کی سطح پر ہی سہی لیکن ہمارے لیے اہلِ مغرب کو رزقِ حلال کی اہمیت سمجھانا اور قائل کرنا ممکن نہیں ہے۔ مذہب کے بہت سے احکامات ایسے ہیں جن کا ادراک محال ہے۔اس لیے ادب میں ماننے کا مقام ہے۔ جاننے کا نہیں...میں نے اپنے ناول میں یہی کہنا چاہا ہے کہ اگر ہم مغرب کے اثرات سے نکل کر رزق حلال کے عادی ہو جائیں تو صرف اسی ایک تبدیلی کے زیرِ اثر ہماری معاشرتی زندگی سے تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں کیوں کہ انسانی زندگی میں ان تمام بے چینیوں کا سبب جو بالآخر لوگوں کو جرائم اور خود کشی کی طرف مائل کرتا ہے رزقِ حرام ہے۔ میں نے ناول میں رزقِ حرام کے مختلف روپ دکھائے ہیں۔ زنا بھی اسی کا ایک روپ ہے جو انسان کو آخر کار مایوسی اور ناکامی کے اندھیرے میں دھکیل دیتا ہے۔‘‘(۲(

بانو قدسیہ کی اس گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مصنفہ عوام کی توجہ رزقِ حرام کی طرف مبذول کروانا چاہتی ہیں کہ رزقِ حرام سے انسانی زندگی کس قدر بے چینیوں اور گمراہیوں کانتیجہ ہو کر رہ جاتی ہے اور موجودہ دور میں انسانوں کے اندر جرائم اور خود کشی کی سب سے بڑی وجہ رزق حرام ہی ہے۔ دراصل وہ عوام کے دلوں میں رزقِ حرام کے لیے نفرت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتی ہیں تا کہ لوگ رزقِ حرام کو استعمال میں لاتے ہوئے برے کاموں سے اجتناب کریں۔ ’’راجہ گِدھ‘‘ ایک

فلسفیانہ ناول ہے جس میں مصنفہ نے مختلف بحثوں کے ذریعے انسان کے اندر پیدا ہونے والے دیوانگی کے اثرات اور وجوہات کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہےڈاکٹر ممتاز احمد خان ''راجہ گِدھ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اپنی دھرتی کا وہ ناول ٹھہرتا ہے جس میں ہم زمینی جڑیں(Roots)تلاش کرنے کی بجائے روحانی جڑیں تلاش کرتے ہیں اور اسی سے ہم آہنگ ہونے کی جستجو رکھتے ہیں۔''(۳(

بانو قدسیہ کا ناول ''راجہ گِدھ'' جس دور میں منظرِ عام پر آیا، اگر اس دور کا جائزہ لیا جائے تو وہ دور انسانی ذات کی شکست و ریخت، اخلاقی پس ماندگی اور گمراہی کا دور ہے۔ معاشرتی اقدار اندر سے کھوکھلی اور مردہ ہو چکی ہیں۔ انسان اپنے ارتقا کے باوجود اپنی ہی ذات کے ہاتھوں شکست خوردہ ہےناول کے مرکزی کردار قیوم، سیمی اور آفتاب ہیں اور ناول کی کہانی اس تکونی مثلث کے گرد ہی گھومتی ہے۔ تینوں سوشیالوجی کلاس کے طالب علم ہیں۔ آفتاب کا تعلق کشمیری تاجروں کے خاندان سے ہے جب کہ سیمی شاہ ملک کے ایک کامیاب بیوروکریٹ کی اکلوتی اولاد ہے۔ قیوم کا تعلق ایک دیہاتی گھرانے سے ہےپوری کلاس کی توجہ پروفیسر سہیل سمیت سیمی شاہ پر ہے۔ سیمی ایک بااعتماد، شوخ و چنچل شخصیت کی مالک ہے۔ وہ اور آفتاب بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں جب کہ پروفیسر سہیل ان دونوں کے تعلق کو پسند نہ کرتے ہوئے ان دونوں کے درمیان شک کا بیج بو دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ آفتاب اپنے والدین کی پسند سے شادی کر کے لندن چلا جاتا ہےسیمی اس کے جانے کے بعد بھی اس کے عشق سے فرار حاصل نہیں کر پاتی بلکہ عشقِ لاحاصل سے خود کو تباہ کر لیتی ہے۔

قیوم جو اس سے زمانہ طالب علمی ہی سے محبت کرتا ہےآفتاب کے جانے کے بعد سیمی کو وقتی سہارا دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں قیوم سیمی سے جنسی تعلق قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جب کہ سیمی ایک مردہ تن کے ساتھ اس سب کا احساس نہیں رکھتی۔ قیوم کی محبت بھی اسے آفتاب کی یاد سے غافل نہیں کرتیایک رات وہ خود کشی کر لیتی ہے۔ قیوم کا تعلق جس گائوں سے ہے وہاں اب اکیلا اس کا باپ رہتا ہے جو اُس کی ماں کے انتقال کے بعد کسی صورت بھی اپنی حویلی کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ اپنی بیوی کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ دونوں نے پسند کی شادی کی تھی۔ قیوم اور اس کا بھائی شہر میں رہتے ہیں۔ اپنے باپ کو وہ لینے بھی جاتے ہیں لیکن وہ آنے سے انکار کر دیتا ہے۔ قیوم اپنے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ اس دوران اس کی ملاقات اپنی بھابھی کی بھابھی عابدہ سے ہوتی ہے۔ عابدہ کچھ دن کے لیے ادھر آئی ہے۔ اس کی اپنے شوہر سے ناراضگی ہو جاتی ہے۔ قیوم اور عابدہ کی آپس میں بات چیت شروع ہو جاتی ہے۔ قیوم اسے سیمی کا سارا قصہ سناتا ہے اور عابدہ اپنے شوہر کی برائیاں کرتی ہے۔ دونوں میں وقتی طور پر جسمانی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں لیکن جلد عابدہ کا شوہر اُسے لینے کے لیے آجاتا ہے جب کہ قیوم اُسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکنے کا کہتا ہے۔ لیکن عابدہ اُسے چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ قیوم ریڈیو سٹیشن میں ملازمت کے دوران امتل نامی طوائف سے ملتا ہےامتل اس سے عمر میں کافی بڑی عورت ہے۔ قیوم اس سے بھی جسمانی تعلق قائم کرنا چاہتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے۔ امتل کو اس کا بیٹا اس کی نازیبا

اور غیر اخلاقی حرکات کی بدولت قتل کر دیتا ہے۔ قیوم ایک بار پھر اکیلا رہ جاتا ہے۔ اپنی بھابھی سے وہ اپنی شادی کروانے کا کہتا ہے لیکن شرط رکھتا ہے کہ لڑکی باکرہ ہو۔ جس لڑکی سے اس کی شادی ہوتی ہے وہ پہلے ہی کسی اور کے ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔ یہ بات سن کر قیوم جسے تھوڑی بہت امید کی کرن اپنی زندگی میں نظر آتی ہے، اندھیر ہو جاتی ہے۔ قیوم اُسے اس کے محبوب سے ملوانے کا وعدہ کرتا ہے اور اُن دونوں کو ملوا کر اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کا میل جول پروفیسر سہیل سے دوبارہ ہو جاتا ہے۔ پروفیسر سہیل اعتراف کرتا ہے کہ وہ بھی سیمی شاہ کی محبت میں مبتلا تھا اور اُس نے ان دونوں کو شک کا بیج بو کر جدا کیا۔ آفتاب لندن سے واپس آ جاتا ہےساتھ اس کا بیٹا افراہیم ہے جو ذہنی طور پر ٹھیک نہیں۔ قیوم اُسے بتاتا ہے کہ یہ عرفان کی حدوں کو چھُو رہا ہے۔ قیوم روحانیت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایک بزرگ کے ذریعے روحوں سے ہمکلام ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر ''راجہ گِدھ'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کا موضوع انسان کا اخلاقی زوال ہے۔ جسے عورت کی صورت میں عشقِ لاحاصل اور مرد کی صورت میں جنس سے واضح کیا گیا ہے۔ مگر بانو قدسیہ کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اسے محض مرد عورت کے جنسی تعلقات کی عام سطح تک نہ رہنے دیا بلکہ اسے انسان سے انسان کے جذباتی تعلق کا رزمیہ بنا دیا۔''(۴(

''راجہ گِدھ'' ایک فکری اور فلسفیانہ ناول ہے۔ ناول میں مصنفہ نے رزقِ حرام سے پیدا ہونے والی جسمانی و روحانی بیماریاں اور معاشرتی برائیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مردار سے مراد صرف زنا حرام ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام جو ناجائز طریقے سے کیا جائے رشوت، سفارش، چوری، ناجائز طریقے سے دولت و ثروت کا حصول، یہ سب رزقِ حرام کے زمرے میں آتے ہیں اور معاشرے کی سماجی ناانصافیاں ان کو مزید فروغ دیتی ہیں۔ ''راجہ گِدھ'' انسانی جبلت کی کہانی ہے جس میں مصنفہ نے انسانی سرشت میں پیدا ہونے والے پاگل پن اور دیوانگی کے اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ انسانی کردار میں قول و فعل میں تضاد آخر کوئی وجہ تو ہے اس کی۔ پروفیسر سہیل کی سوشیالوجی کی ابتدائی کلاس میں پاگل پن کی وجوہات دریافت کرنے پر بات چیت ہوتی ہے:

''آپ لوگوں نے فرد اور معاشرے کی کش مکش کو بہت خوبی سے سمجھا ہے اور بہت سے صحیح نتیجے اخذ کیے ہیں۔ معاشرے کا پھندا جب فرد کی گردن پر بہت تنگ ہونے لگتا ہے تو کبھی کبھی فرد کو موت سے پہلے خود اپنے فیصلے سے مرنا پڑتا ہے۔ کوثر نے خود کشی کی ان گنت وجوہات کو ایسے بیان کیا کہ اس میں ایک نئی دریافت کی سی تازگی پیدا ہو گئی لیکن اب میں آپ لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ سوچیں خود کشی کا فعل جسے آپ سب متفقہ طور پر پاگل پن کی ایک معکوس شکل سمجھتے ہیں اس پر غور کریں، خود کشی پر نہیں پاگل پن پر...وجہ پر... نتیجہ پر نہیں...پاگل پن کی اصل وجہ کیا ہے؟ یاد رکھیے پاگل پن جس قدر ششدر کرنے والی حالت ہے اسی طرح پاگل پن پیدا کرنے کی وجہ کو بھی حیران کن ہونا چاہیے۔''(۵(

پروفیسر سہیل پاگل پن کی وجہ پر زور دینے کو کہتا ہے نتیجہ پر نہیں۔ کیوں کہ کوئی بھی فعل جب سرزد ہو گا تو اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ تو ضرور برآمد ہو گالیکن اصل چیز فعل ہے اس کے

نتائج نہیں۔ کچھ طالب علم پاگل پن کو بچہ کا پیدائشی طور پر نامکمل ہونا قرار دیتے ہیں اور کچھ نفسیاتی اُلجھائو سے پیدا ہونے والے ذہنی خلا کو اس کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے:

’’پاگل پن ہمیشہ ناآسودہ آرزوئوں سے پیدا ہوتا ہے اور ناآسودہ آرزوئیں انTaboos سے جنم لیتی ہیں، جو ہر کلچر میں موجود رہتی ہیں جس کلچر میں ماموں زاد بہن سے شادی نہیں ہو سکتی وہاں ماموں زاد بہن کے عشق لاحاصل سے دیوانگی پیدا ہو سکتی ہے۔‘‘(۶)

پاگل پن اور دیوانگی کی وجوہات پر ناول میں بہت ٹھوس بحثیں موجود ہیں۔ عشقِ لا حاصل کی اس بحث کے علاوہ رزقِ حرام سے پیدا ہونے والی برائیاں اور انسانی اخلاق کے زوال پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مصنفہ نے پروفیسر سہیل کی زبانی اسلامی فلسفہ رزقِ حلال اور رزقِ حرام بیان کیا:

’’مغرب کے پاس حرام حلال کا تصور نہیں ہے اور میری تھیوری ہے کہ جس وقت حرام رزق جسم میں داخل ہوتا ہے وہ انسانیGenes کو متاثر کرتا ہے۔ رزقِ حرام سے ایک خاص قسم کی Mutationہوتی ہے جو خطرناک ادویات شراب اور Radiationسے بھی زیادہ مہلک ہے۔ رزقِ حرام سےGenes تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ وہ لولے لنگڑے اور اندھے ہی نہیں ہوتے بلکہ ناامید بھی ہوتے ہیں۔ نسل انسانی کیا یہ Genes جب نسل در نسل ہم میں سفر کرتے ہیں تو انGenes کے اندر ایسی ذہنی پراگندگی پیدا ہوتی ہے جس کو ہم پاگل پن کہتے ہیں۔ یقین کر لو رزق حرام سے ہی ہماری آنے والی نسلوں کو پاگل پن وراثت میں ملتا ہے اور جن قوموں میں من حیث القوم رزقِ حرام کھانے کا چسکا پڑ جاتا ہے وہ من حیث القوم دیوانی ہونے لگتی ہیں۔‘‘(۷)

مصنفہ نے اس بات کو ایسے ہی بیان نہیں کر دیا بلکہ اس کے لیے دلائل بھی موجود ہیں۔ ہابیل اور قابیل کا جھگڑا اور ممنوعہ پھل کھانے کی وجہ سے حضرت آدمؑ کی شخصیت میں پیدا ہونے والی تبدیلی دراصل قابیل کے قتل کی اصل وجہ ہے۔ انسان کے لیے واضح نصب العین کا نہ ہونا دراصل معاشرے میں انتشار اور دیوانے پن کی اصل وجہ ہے۔ مصنفہ نے بڑے مدلل انداز میں عشقِ لاحاصل، دیوانگی، پاگل پن اور رزقِ حرام کے اصل محرکات پر بات کیڈاکٹر نعیم مظہر ’’اُردو ناول : تفہیم و تنقید ‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’بانو قدسیہ کا ناول ’’راجہ گِدھ‘‘ بہت سے حوالوں سے خصوصی مطالعے کا مستحق بنتا ہے کہ یہاں زندگی اپنی فاعلی اور انفاعلی ہر دو سطحوں پر زندگی رہتی ہے۔ بانو کے نظریہ اخلاق سے اختلاف کرتے ہوئے بھی اس کی باریک بین نگاہ سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے انسانوں کے اچھے برے مثبت منفی سبھی رویوں میں زندگی کا اثبات کیا ہے۔‘‘(۸)

رزقِ حرام پر پلنے والی نسلیں اخلاقی و روحانی طور پر پاگل پن اور دیوالیہ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مصنفہ نے ناول میں اس بحث کو چھیڑا ہے کہ آخر اس پاگل پن کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا یہ سب انسان کی تقدیر میں پہلے سے لکھ دیا گیا ہے کہ وہ پاگل پن کا شکار ہو اور یہ چیزاس کی سرشت میں شامل ہے۔ جیسے آدمؑ و حواؑ کے قصہ کو دیکھا جائے تو حرام کی طرف میلان انسان کی سرشت میں شامل تھا۔ پھر تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر یہ معاملہ بنانے والے کا ہے، بننے والے کا نہیںمصنفہ لکھتی ہیں:

''پہلے آقا انسان کی سرشت میں بدی نہ تھی۔ وہ فرشتوں کی طرح نیک اور آئینے کی طرح پاک تھا لیکن ایک دن ابلیس نے موقع پا کر اس میں جھانکا اس لمحے انسان کے اندر حق و باطل کی جنگ شروع ہو ئی۔ خدا نے انسان کو موقع دیا کہ وہ اپنا آئینہ صاف کر لے۔ اس وقت سے حق و باطل کی جنگ جاری ہے۔ جنگ کا میدان انسان ہے۔ اللہ کی کائنات انسان ایسا ہے جو اپنی سرشت بدلنے پر قادر ہے اور اپنے آئینے کو صاف کر سکتا ہے۔ جیت اللہ کی ہو گی لیکن موقع ابلیس کو بھی برابر کا دیا جا ئے گا۔ آپ دیکھتے نہیں آقا اس جنگ کی وجہ سے انسان کی کیا حالت ہوئی، اگر وہ دیوانہ ہے تو اسی تضاد کے ہاتھوں اور فرزانہ ہے تو اسی تضاد کی وجہ سے۔''(۹(

ناول میں مصنفہ کئی دلائل سے یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ دراصل رزقِ حرام دیوانہ پن کی وجہ ہے۔رزقِ حرام سے حاصل کیا گیا رزق کھانے والے کے لہو پر منفی اثر کرے گا اور رزقِ حلال مثبت۔ ایسے ہی جیسے تکبیر پڑھ کر بکرے کو حلال کر لیا جائے اور نکاح پڑھ کو عورت کو اپنے لیے جائز۔ پروفیسر سہیل یہی بات بار بار باور کروانا چاہتا ہے کہ اگر مغرب والوں کے پاس یہ فلسفہ ہوتا تو وہ کب کے اس کا اعتراف کر چکے ہوتے لیکن ہمارے ہاں بے راہ روی، مغربی مشرقی کی تقلید، برائیوں کی طرف رجحان یہ سب رزقِ حرام کھانے کی وجہ سے ہے اور حرام کوئی بری چیز نہیں صرف جس چیز سے منع کر دیا گیا وہ حرام ہے۔حرام کھانے سے انسان کےGenes میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اور یہی وراثت میں اپنی آنے والی نسل کو دیتا ہے اور آنے والی نسل یہی پاگل پن ورثے میں حاصل کر کے ابنارمل شخصیت کے حامل ہوتے ہیں اور دیوانے پن کا شکار۔ مصنفہ بتاتی ہیں دیوانہ پن بھی دو طرح کا ہوتا ہے جیسے کہہ سکتے ہیں دیوانگی کے دو پہلو ہیں۔ انسان جب ترقی کی منازل طے کرتا ہے تو ساتھ ہی اس کی دیوانگی بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ دیوانگی منفی اور مثبت دونوں طرح کی ہو سکتی ہے، جیسے سائنس کی ایجادات انسان کی فلاح کے لیے بھی ہیں اور انسان کو تباہ بھی کر سکتی ہیں۔ انسان کی اپنی ذہنی اختراع ہے کہ وہ کسی چیز کا استعمال کس طرح کرتا ہے۔ اپنی طاقت کو اپنی توانائیوںاور صلاحیتوں کو مثبت استعمال میں لاتا ہے یا منفی۔ اسی طرح عشقِ لاحاصل منفی بھی ہو سکتا ہے اور مثبت اثرات بھی مرتب کرتا ہے۔ناول میں سیمی شاہ عشقِ لاحاصل کا شکارہوتی ہے۔ مصنفہ نے اس کے روپ میں نئے دولت مند طبقے کی زندگی کے کھوکھلے پن کو بیان کیا ہے کہ کس طرح ایسے لوگ معاشرہ میں جذباتی و نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ سیمی شاہ کا تعلق ایک بیوروکریٹ فیملی سے ہے۔ اس کے والدین اپنے اپنے محور میں زندگی گزار رہے ہیں لیکن ان کو اپنی بیٹی کے مسائل سے کوئی آگاہی نہیں۔ اس کے والد خوب صورت لڑکیوں کے پیچھے جب کہ والدہ اپنے بنائو سنگھار پر توجہ دیتی ہے تا کہ شوہر کی توجہ اس پر مرکوز رہے۔ مشترکہ گھر کا ماحول ان تمام افراد کے لیے بوجھ ہے۔ سیمی اپنا گھر بار چھوڑ کر ہاسٹل میں رہتی ہے۔ دراصل وہ منافقانہ ماحول سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اپنے والدین پروہ ان الفاظ میں طنز کرتی ہے:

''دراصل...میرے باپ...میری ماں...میں تمھیں کیسے سمجھائوں قیوم...میرا باپ پاکستان بنانے والی پود کی طرح بوڑھا ہو رہا ہے۔ اس نے اپنی بوڑھی مردیت کے سامنے دولت، کار، بنگلے، بنک

بیلنس کی اسکرین لگا کر اپنے آپ کو بہتPotent کر لیا ہے۔اس کا وقت لومڑیوں کے لیے ہے۔بیٹی بڑا بوجھ لگتی ہے اسے۔‘‘(۱۰(

یہ پاکستان کی نوجوان نسل کی ذہنی اُلجھنوں اور پیچیدگیوں کی کہانی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جو طبقہ پروان چڑھا اس کی بنیاد مادیت پرستی پر رکھی گئی۔ ظاہری آرائش و زیبائش اور رکھ رکھائو کو فروغ حاصل ہوا۔ اس صورت حال میں جو کمزوردل اور حساس ذہن رکھتے تھے وہ روحانی اضطراب اور ذہنی کش مکش اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ سیمی کے والدین مادہ پرست معاشرے کے نمائندہ ہیں جس کی بنیادیں کھوکھلی ہیں۔ سیمی عشقِ لاحاصل کا شکار ہو کر اس کا بدلہ اپنی ذات سے لیتی ہے۔ آفتاب سے عشق میں ناکامی کے بعد قیوم سے جسمانی تعلقات قائم کرنے کے باوجود وہ اس تعلق سے لاتعلق ہے۔ قیوم اور سیمی دونوں مردہ آرزوئوں کو دل میں بسائے جینے پر مجبور ہیں۔ قیوم سیمی سے محبت کرتا ہے اور سیمی آفتاب سے۔ سیمی اپنے وجود سے بھی لاپرواہ ہو چکی ہے۔ اسے نہ اپنی جان کی پرواہ ہے نہ جسم کی:

’’آفتاب نے یہ غزالِ شہر شکار کیا تھا۔مجھے اس مردہ لاش کو کھانے کا حکم تھا جو نربل نڈھال کافور کے درخت تلے نیم مردہ پڑی تھی۔ جب میں نے اس کا کف دوبارہ بند کیا تو وہ آنکھیں بند کیے چپ چاپ لیٹی تھی۔ وہ نہ میرے ساتھ تھی، نہ میرے مخالف۔ وہ کسی ایسے شرابی کی بیوی تھی جو ہزار ہا مجبوریوں کے باعث مدافعت کے قابل نہیں رہتی۔ یہ بھی عجیب رابطہ تھا۔ مردار کو گِدھ ہڈیوں تک شفاف کر چکا تھا لیکن وہ اپنی بے غیرتی کا نظارہ کرنے کے لیے موجود ہی نہ تھی۔ وہ تو اس وقت کہیں اور تھی۔ کسی اور کے ساتھ یہ بھی اپنی نوعیت کا ربط تھا، ادھر سے کوئی مدافعت نہ تھی۔ جس وقت ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، ہم مکمل طور پر کھوکھلے تھے۔ میں جانتا تھا کہ سیمی کبھی میری نہ ہو سکے گی۔ وہ غالباً سمجھتی تھی کہ اپنے ساتھ میری نسبت لگا کر اس نے آفتاب سے بدلہ لے لیا۔ شاید وہ اپنے آپ کوذلیل کر کے اپنی ذات کو کچھ دیر کے لیے بچا سکتی تھی۔‘‘(۱۱(

عموماً عشق میں ناکامی کے بعد بہت سے لوگ اپنے ہی ذات سے انتقام لینا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی ہی ذات کی نفی کرتے ہیں، جیسے کسی موتی کو اگر اصل خریدار نہ ملے تو وہ ریت میں مل کر خود کو فنا کر دیتا ہے۔ناکام محبت کرنے والے بھی خود کو فنا کرنے کے ہر طریقے کو آزماتے ہیں اور اپنی ہی تذلیل کر کے لذت محسوس کرتے ہیں۔ سیمی شاہ بھی قیوم سے جسمانی تعلق قائم کر کے اپنی ہی ذات سے انتقام لیتی ہے۔ لاشعور میں جیسے اپنے محبوب آفتاب سے بدلہ لے رہی ہو۔ آفتاب سے محبت میں ناکامی کے بعد اسے اپنے جسم کی معنویت بالکل ختم محسوس ہوتی ہے۔ اپنے ہی زخموں کو کرید کرید کر وہ روز اپنے آپ کو ایک نئی اذیت دیتی ہے۔موت کی آرزو اس کے اندر شدید ہونے لگتی ہے۔آخر کار اپنی زندگی کا خاتمہ اپنے ہاتھوں سے کر لیتی ہے۔

’’سیمی زندگی میں کتنی کربناک تھی۔ وہ کیسے تلملاتی رہتی تھی اور موت سے ہم کنار ہوتے ہی اس کا چہرہ کتنا شانت، کیسا آزاد ہو گیا تھا۔‘‘(۱۲(

قیوم کے لیے سیمی کی موت کا صدمہ شدید ہے لیکن اُس میں مزید جینے کی آرزو بھی ہے۔ اب وہ مضطرب ذہن اور بکھری ہوئی سوچوں کے سہارے زندگی کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے۔ اس کے

بعد اس کی ملاقات عابدہ سے ہوتی ہے جو ایک مڈل کلاس گھریلو خاتون ہے۔ قیوم گِدھ کی طرح اس سے بھی جسمانی تعلق قائم رکھتا ہے لیکن عابدہ کا احساس گناہ اُسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے۔ وہ بھی قیوم کو تنہا چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ قیوم کو پھر تنہائی اور مایوسی گھیر لیتی ہے۔ وہ تنہائی سے فرار حاصل کرنے کے لیے امتل نامی طوائف کی شخصیت میں سہارا ڈھونڈتا ہے اور قیوم امتل کے بارے میں سوچتا ہے:

''امتل کو اپنا سمجھنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ شہر میں وہ اور میں بالکل تنہا تھے۔ میں ذہنی اور جسمانی طور پر بیمار تھا۔وہ میری ماں کی عمر کی تھی پھر میرا اور اس کا مسلک گِدھ جاتی کا تھا۔ ہم دونوں مردار آرزوئوں پر پلے تھے۔''(۱۳(

قیوم گِدھ کی طرح امتل کا بھی مردار گوشت کھانے کے لیے بے تاب رہتا ہے لیکن امتل اب کی بار اپنی آرزوئوں کو بڑھنے نہیں دیتی، اس کے بیٹے کے ہاتھوں اس کی موت قیوم کا آخری سہارا بھی چھین لیتی ہے۔ قیوم بار بار زندگی میں ناکامیوں کے بعد مایوسیوں کے گہرے گھڑے میں گر جاتا ہے۔ وہ اب ایک بے چین روح ہے جسے خود معلوم نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ قیوم دراصل ''راجہ گِدھ'' کے کردار کا استعارہ ہے۔ وہ ذہنی کش مکش، ذہنی اُلجھائو اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ وہ اپنی ہی ذات کے حصول کے لیے سرگرداں ہے:

''میں گہریAnxiety کا شکار ہوں۔ آج کل...میں اس مسلسل فکر کا اصل نیوکلس تلاش کرنا چاہتاہوں لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ آخر یہ چکر کیا ہے۔مجھے کس چیز کی تلاش ہے۔ میرا کیا کھو گیا ہے؟ میں آخر چاہتا کیا ہوں۔''(۱۴(

حیات انسانی کو سمجھنا کوئی آسان بات نہیں۔ یہ بہت پیچیدہ فلسفہ ہے۔ اس فلسفہ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بانو قدسیہ نے ''راجہ گِدھ'' کے آغاز ہی میں انسان کے اندر دیوانگی کو سمجھنے کے لیے ایک مکالمہ پرندوں کے درمیان لکھا ہے تا کہ انسان کی دیوانگی کا سراغ لگایا جا سکے۔ لکھتی ہیں:

''ہم خود نہیں جانتے کہ یہ دیوانگی کیوں ہے۔ ہم گنہگار ضرور ہیں لیکن کیوں اس کا بھید ہم پر آج تک نہیں کھلا...کوئی ہمیں بتا سکے تو ہم اس کا احسان ماننے کو تیار ہیں۔ انسان کے پاگل پن کی وجہ ایک ایسی قوت میں پنہاں ہے جو اگر آگے نہ جائے تو ریزہ ریزہ کرنے لگتی ہے۔''(۱۵(

انسان پر دیوانگی طائر ہونے کی وجوہات بیان کرنے کے علاوہ وہ جنس پر اختیار یا بے اختیاری کو بھی بیان کرتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جنس انسانی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور اس کی خاطر انسان نے کئی جنگیں بھی لڑیں۔ بانو قدسیہ انسانی دیوانگی کی ایک وجہ جنس کو بھی قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

''انسان کی ساری قوت اس کی جنسی طاقت میں پوشیدہ ہے، وہ جانوروں اور پرندوں کی طرح محض نسل بڑھانے کو اپنی جنس استعمال نہیں کرتا۔ اس گھوڑے پر انسانوں کے زانو سختی سے کسے ہوں تو وہ عرفان تک پہنچتا ہے۔ ڈھیلا بیٹھا ہو تو دیوانہ وار گرتا ہے اور بالکل پاگل کہلاتا ہے۔ دنیا کا عرفان ہو تو شاعری، مصوری، موسیقی، آرٹ جنم لیتا ہے، دنیا درکار نہ ہو اور قوت تیز ہو تو عرفان

کی حدیں چھو لیتا ہے۔ اگر یہ قوت مقبض ہو جائے تو خود کشی کر تا ہے۔ عشق لاحاصل ہو جائے اور گھوڑا سوار کو گھسیٹے تو انسان پاگل ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے پتھر مارتے ہیں، زنجیروں سے مارتے ہیں...دیوانگی کی وجہ یہی عشق لاحاصل ہے آقا۔‘‘(۱۶(

حقیقت ہے یہی جنس کا استعمال اگر جائز طریقے سے کیا جائے تو انسان اپنے نفس کو اپنے اختیار میں رکھتے ہوئے عرفان کی حدوں کو چھو سکتا ہے لیکن اگر ناجائز ذرائع ہوں تو یہی حرام کاری اسے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کر دیتی ہے۔ بانو قدسیہ نے انھی نفسیاتی پیچیدگیوں کو بڑے احسن طریقے سے ناول میں بیان کیا ہے۔ جنس، محبت اور دیوانگی کے محرکات میں محبت ایک اہم محرک ہے۔ اگر محبت انسان کو ہر ناممکن کام کرنے پر مجبور کر سکتی ہے تو نفرت نے بھی حیات انسانی پر بہت سے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ناول میں قیوم اور سیمی شاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو جس کا موضوع محبت اور نفرت ہے کچھ یوں ہے:

’’جس محبت کے تصور کے بغیر معاشرے کی تشکیل ممکن نہ تھی، شاید اسی محبت کو مبالغہ پسند انسان نے خدا ہی سمجھ لیا اور انسان دوستی کو انسانیت کی معراج ٹھہرایا۔ پھر یہی محبت جگہ جگہ نفرت، حقارت اور غصے سے زیادہ لوگوں کی زندگیاں سلب کرنے لگی۔ محبت کی خاطر قتل ہونے لگے۔ خود کشی وجود میں آئی۔ سوسائٹی اغوا سے، شب خون سے متعارف ہوئی۔‘‘(۱۷(

کیا محبت میں اتنی طاقت ہے کہ وہ انسان سے کچھ بھی کروا سکتی ہے اور ایک اچھا خاصا انسان جو معاشرے کا مہذب اور تعلیم یافتہ فرد کہلاتا ہے لیکن محبت کی خاطر کچھ بھی کر گزرتا ہے۔بانو قدسیہ محبت کی طاقت کے بارے میںیہی کہتی ہیں کہ یہ بیک وقت توڑنے اور جوڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ معاشرے میں نکھار اسی کی بدولت ہے اور معاشرے میں بگاڑ کا ایک محرک بھی یہی ہے۔ محبت اور نفرت انسانی زندگی کا جذبہ لاینفک ہیں۔ ناول میں قیوم اور آفتاب اس پہ بات کرتے ہیں:

’’انسان کا دل ہمیشہ محبت کا متلاشی نہیں ہوتا۔ جب محبت کی گیس سے اس کا غبار پھٹنے لگتا ہے تو اس کی آرزو ہوتی ہے کہ کوئی سوئی ہلکا سا چھید کر کے اس کی انا کو کم کر دے۔‘‘ (۱۸(

وہ مزید کہتے ہیں:

’’جب نفرت پاتال میں لے کر اترتی ہے تو پھر کہیں سے محبت اوپر اٹھاتی ہے۔ اتنا اٹھائے لیے جاتی ہے کہ آدمی غبارہ بن کر آسمانوں کو چھونے لگتا ہے۔ جب یہ غبارہ اور اوپر نہیں جا سکتا لیکن اس کی آرزو کم نہیں ہوتی تو کہیں سے حقارت... نفرت کی سوئی گیس کم کرنے کو آ نکلتی ہے۔ یہ عمل مسلسل ہے۔ زندگی کے ساتھ ساتھ ہے... خدا سے لے کر عبد تک کا عمل۔‘‘(۱۹(

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان محبت کے بغیر ادھورا ہے۔ اس ادھورے پن کی بنا پر اس کی شخصیت ہمیشہ کے لیے ادھوری رہ جاتی ہے۔ محبت سے انسان میں زندہ رہنے کا جذبہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور ایک امید اسے آسمانوں کو چھونے کا سہارا دیتی ہے۔ اسی امید و ناامیدی کے ساتھ زندگی کی کہانی ہے۔ یہ رجائیت اور قنوطیت اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اسی طرح جستجو بھی زندگی کی روانی کا دوسرا نام ہے۔بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

''امید بھی بڑی دیوانی ہے... لمحوں میں ریگستانوں میں بل ڈوزر چلا کر ٹیوب ویل نصب کر کے زیتون کے باغ لگا دیتی ہے۔''(۲۰(

اسی طرح جستجو میں اگر امید کا عنصر شامل نہ ہو تو انسان کسی مثبت نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی جستجو کی بدولت وہ مقصدِ زندگی کی لگن میں کوشاں رہتا ہے۔ ''راجہ گِدھ'' میں مصنفہ یہی کھوج لگانے کی کوشش کرتی ہیں کہ انسانی شخصیت پر کتنی پرتیں چڑھی ہوئی ہیں۔

ہر انسان کی زندگی میں ایسے لمحے بھی آتے ہیں جب ارد گرد کی ساری چیزیں ویسی ہی ہوتی ہیں لیکن اسے اجنبی محسوس ہوتی ہیں۔ہر چیز سے سُکھ کا پیغام آ کر بھی کوئی بے چینی اسے بے چین رکھتی ہے۔ اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر دل نامی کوئی چیز ہے جو دھڑکنے سے اپنے ہونے کا احساس دلا رہی ہے۔ نفسیاتی طور پر انسان ہمیشہ سے سہاروں کو ڈھونڈتا رہا ہے۔ انسان کی فطرت کے کئی پرت ہیں اوروہ ہمیشہ سے خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔حرص و ہوس کے لیے وہ ہر طرح کے مصائب کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ زندگی میں اسے کئی لوگ ملتے ہیں وہ ان وقتی سہاروں کو ہمیشہ کے لیے سہارا بنانا چاہتا ہے لیکن وہ محض فریب ٹھہرتے ہیں۔دراصل مصنفہ نے قوم میں موجود پاگل پن کی وجوہات کو مادہ پرستی سے جوڑا ہے اور آج کا انسان اس قدر کھوکھلا ہے کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہیں اور وہ بے نام جستجو کا شکار ہے:

''پہلے انسان اپنی تلاش کرتاتھا یا خدا کی...اس کی جستجو بے نام نہیں ہوتی تھی۔ اب آج کا ماڈرن انسان یہ بھی نہیں جانتا کہ آخر اسے تلاش کس چیز کی ہے؟''(۲۱(

انسان کا مادیت پرستی میں حد سے زیادہ کھو جانا اس بات کی علامت ہے کہ وہ نہ صرف اپنے خدا سے دُور ہو گیا ہے بلکہ اپنی ذات سے بھی بیگانہ ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے، اسے خود اس بات کا ادراک نہیں۔انسانی فطرت کے بارے میں مصنفہ ایک جگہ لکھتی ہیں:

''انسان تلاش ہے۔وحدت کی کثرت میں تلاش''۔ ایک طرف سے آواز آئی، نہ رزقِ حرام کی وجہ سے دیوانہ ہو اہے نہ اس طاقت کی وجہ سے۔ بلکہ تضاد کے ہاتھوں دیوانہ ہوا ہے۔ دن کے ساتھ رات ہے۔ زندگی کے ساتھ موت۔ شمال کے مخالف جنوب۔لیکن بیچارے انسان کے اندر ہر وقت نیکی بدی کی جنگ ہوتی رہتی ہے۔ اگر اس کے اندر جنگ ساکت ہو گی تو خدا ہا ر جائے گا۔''(۲۲(

یہ تلاش کس چیز کی ہے۔ خود اسے اس تلاش کا علم نہیں۔ بانو قدسیہ معاشرے میں فرد کی روح کی پاکیزگی لازمی قرار دیتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مغربی فلسفوں اور انسانی بد اعمالیوں کی تقلید نے آج کے انسان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ انسانی جستجو کو روحانیت کا لباس پہنانا چاہتی ہیں۔ آج کا انسان مادہ پرستی کا شدید شکار ہے۔ ''راجہ گِدھ'' میں انھوں نے انسان کی تخلیق اور اس کے ذہنی و فکری ارتقا پر بھی بات کی ہے اور انسان کی جنسی نفسیات کو فکری طور پر تصوف و روحانیت سے جوڑنا مقصود سمجھتی ہیں۔ ناول میں مادہ پرستی کا شکار نسل کا مصنفہ نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔ قیوم کا بڑا بھائی مختار، سیمی کے والدین اور آفتاب سب مادہ پرست معاشرہ کے نمائندہ ہیں۔ سیمی، قیوم اور پروفیسر سہیل نئے معاشرے کی اور نئی نوجوان نسل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ناول کے آخر میں آفتاب کا بیٹا افراہیم ایک عجیب الخلقت ابنارمل بچہ ہے۔ اس کی دیوانگی عام طرح کی نہیں

بلکہ اس پر کائنات کے کئی راز کھل چکے ہیں۔ وہ اس دنیا سے پرے دیکھنے پر قادر ہے اور اس کے محسوسات عام لوگوں سے ہٹ کر ہیں۔ آفتاب سمجھتا ہے کہ یہ کسی کی بددعا کا نتیجہ ہے یا اس نے اس کے ابا واجداد نے کچھ گناہ ایسے کیے ہیں جن کی سزا کے طور پر یہ بچہ اسے ملا ہے۔ قیوم آفتاب کو بتاتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے:

''ہر دیوانگی پاگل پن نہیں ہوتی۔ ہر دیوانہ آدمی ننگ انسان نہیں ہوتا۔ جسم کی بیماری دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک بیماری وہ ہے جو جسم کو لاغر و نحیف کرتی ہے۔ دوسری بیماری سے شفایاب ہونے پر انسان دو گنا تندرست ہوتا ہے اور دیر تک تندرست رہتا ہے۔ جیسے جسم میں تازہ خون شامل ہو گیا ہو۔ دیوانہ پن بھی دوطرح کا ہوتا ہے۔ ایک پاگل پن کی وہ قسم ہے جس سے روح، قلب، دماغ سب کمزور ہوتے ہیں۔دوسرا دیوانہ پن وہ ہے جس سے روح میں توانائی آتی ہے۔ وہ ایک ہی جست میں کئی کئی منزلیں پار کرتی ہے۔ خدا کے لیے مجھ پر یقین کرو تمھارے بیٹے کا دیوانہ پن دوسری قسم کا ہے۔ میرا ایمان ہے۔''(۲۳(

آفتاب اپنے بیٹے کے دیوانہ پن سے بے حد پریشان ہے اور اس کے دیوانہ پن کی وجہ جاننا چاہتا ہے اور قیوم سے سوال کرتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ بچہ ایب نارمل ہے۔جہاں مصنفہ پورے ناول میں پیش کی گئی دیوانگی کی وجوہات بیان کرتی ہیں۔ وراثت، عشقِ لاحاصل، لامتناہی تجسس اور جستجو اور موت کا خوف۔ یہی چار وجوہات دیوانگی کو بیان کر کے مصنفہ نے سارے ناول کا تانا بانا بُنا ہے۔ انھیں عنوانات کے تحت ناول کی ابواب بندی کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات سوچنے کے لیے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ مصنفہ افراہیم کا کردار پیش کر کے کیا بتانا چاہتی ہیں۔ کیا افراہیم مستقبل کی نسل کی نشان دہی کررہا ہے کہ آنے والی نسلیں پاگل پن یا دیوانہ پن کا شکار ہو کر اس طرح کی ہوں گی لیکن قیوم اسے دوسری قسم کا دیوانہ پن قرار دیتا ہے جس سے روح میں اتنی طاقت حاصل ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے خدا سے براہِ راست رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ مصنفہ نے اس دیوانہ پن کو عرفان کی منزل قرار دیا ہے۔ قیوم روحانیت سے اپنا رشتہ جوڑ رہا ہے۔ مادیت پرستی کو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ چکا ہے۔ وہ آفتاب سے ان جذبات کا اظہار کرتاہے :

''افراہیم خوابوں کی آخری سیڑھی پر سربسجود تھا۔ میں پاگل پن پہلی اور اسفل ترین سیڑھی پر مجبور کھڑا تھا۔ اور ہم دونوں کے درمیان انسان کا مسئلہ ارتقا کھینچی کمان کی مانند تنا ہوا تھا۔ انسان کو ابنارمل سے سپر نارمل تک پہنچنے کے لیے جانے ابھی کس کس منزل سے گزرنا ہے۔''(۲۴(

مصنفہ یہ بات باور کرانا چاہتی ہے کہ افراہیم مقاماتِ بلند کی آخری سیڑھی پر کھڑا ہے جب کہ قیوم ابھی پہلی سیڑھی پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ قیوم اور افراہیم کے درمیان ابھی روحانی ارتقا کے کئی مرحلے باقی ہیں جن کی طرف ابھی قیوم کو اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ اس کی بے یقین، بے اعتمادی اور گِدھ جاتی کی پستیاں کہیں پیچھے رہ گئی ہیں۔اب آگے بڑھنے کی لگن اور اپنی روحانی جڑوں کومضبوط کرنے کی جستجو اس کے اندر پورے جوش و خروش سے کارفرما ہے۔ انھیں روحانی جڑوں کی جھلک آفتاب کے بیٹے افراہیم میں موجود ہے اور قیوم اس کا تمنائی ہے۔

''راجہ گِدھ'' جس کا موضوع آج کے انسان کا اخلاقی زوال ہے۔ یہ ناول اس دور میں منظرِ عام پر آیا۔ جب قیامِ پاکستان کے بعد معاشرہ اخلاقی زوال اور بے سمتی کا شکار تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اقدار اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھیں اور انسان اپنے زبردست ارتقا کے بعد اپنی ذات کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا۔ ''راجہ گِدھ'' انسان کے ذہنی و فکری ارتقا، اس کی جنسی نفسیات، پاگل پن کی وجوہات، رزقِ حرام سے انسانی کردار میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں اور مادہ پرستی سے روحانیت کی طرف انسان کے سفر کی داستان ہے۔ جس میں انسان کے اخلاقی زوال کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ مغربی فلسفوں اور اقدار کی تقلید نے مشرقی معاشرہ کے فرد پر منفی اثرات ڈالے ہیں۔ ان تمام معاشرتی برائیوں اور اخلاقی زوال کا علاج روحانیت میں موجود ہے۔ بلکہ یوں کہاں جا سکتا ہے کہ ''راجہ گِدھ'' نظریاتی کمٹ منٹ کا ناول ہے۔ناول کا پس منظر پاکستانی معاشرہ ہے اور اس میں رہنے والی نوجوان نسل مادیت پرستی کا شکار ہے۔ ایسا لگتا ہے ناول کے تمام کردار اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑے ہیں اور اپنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے خود کو مجرم گردانتے ہیں اور انسان کی ذات میں پید اہونے والی دیوانگی کا سراغ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مصنفہ اس دیوانگی کی وجہ عشق لاحاصل کو قرار دیتی ہیں۔ سیمی شاہ عشق لاحاصل کی مثال ہے جو آفتاب سے ناکام محبت کے بعد دیوانگی کے اس دہانے پر پہنچ جاتی ہے کہ خود کشی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ دیوانگی کی دوسری وجہ مصنفہ رزقِ حرام کو قرار دیتی ہیں کہ رزقِ حرام کھانے سے انسان کے اندر دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے اور فرد ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ عموماً عشق میں ناکامی، ناتمام حسرتوں کا دکھ انسان کو ذلت کے گھڑے میں گرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ قیوم ناول میں راجہ گِدھ کی علامت ہے جو مردہ آرزوئوں کے ہاتھوں مجبور ہو کرسیمی جیسی لڑکی سے ناجائز تعلقات رکھ کر گِدھ بن جاتا ہے اور اس کا مردا ر گوشت کھاتا ہے۔ یہاں صاف طور پر واضح ہے کہ انسان مادیت کے غلبے تلے آ کر اپنی ہی ذات کو گمراہوں کی دلدل میں گرا لیتا ہے بلکہ سیمی کے بعد بھی باز نہیں آتا اور یہی تعلق عابدہ اور امتل سے قائم کر کے خود کو مزید گناہوں کی دلدل میں گراتا ہے۔ مصنفہ نے رزقِ حلال و حرام کا اسلامی فلسفہ بیان کر کے یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ رزقِ حرام سے پلنے والی نسلیں دیوانہ پن کا شکار ہوتی ہیں اور اس سے پیدا ہونے والی نسل لولی، لنگڑی اور اندھی ہی نہیں ہوتی بلکہ ناامید بھی ہوتی ہے اور جن قوموں میں رزقِ حرام کھانے کا چسکا پڑ جاتا ہے وہ نسل در نسل حرام پر پلتی ہیں۔

اسی طرح رزقِ حلال کے انسانیGenes پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مصنفہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ انسان کی تمام تر سائنسی ترقی اور مادی ترقی کے باوجود انسان ابھی تک اس نتیجہ پر نہیں پہنچا کہ وہ رزقِ حرام یا رزقِ حلال کے فلسفہ کو جان کر ان کے منفی اور مثبت اثرات کو پہچان سکے۔

سائنس کو اگر مذہب سے الگ کر دیا جائے تو تمام تر ترقی کے باوجود لولی لنگڑی ہو گی اور انسان کو سکون نہ دے سکے گی۔ یہ بات اسی طرح ہے جیسے آئن سٹائن نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی اورمذہب سائنس کے بغیر ادھورا ہے۔ ''راجہ گِدھ'' میں مصنفہ نے

بڑے مدلل الفاظ میں اس بحث کو جاری رکھا ہے اور گِدھ کی صورت میں آج کے انسان کی اخلاقی پس ماندگی کو واضح کیا ہے کہ کس طرح انسان رزقِ حرام کھا کر برائی کا مرتکب ہوا اور کیا انسان اپنی سرشت بدلنے پر اختیار رکھتا ہے۔ انسان میں بدی کا تصور کہاں سے پیدا ہوا۔کیاوہ یہ چیزیں اپنے خمیر میں لے کر پیدا ہوا ہے اور انسان جو ابدیت کا خواہاں ہے کیوں ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جو مصنفہ نے ناول میں اٹھائے ہیں اور پھر ان پر بھرپور فلسفیانہ گفتگو کی ہے اور انسان کی فطرت میں پیدا ہونے والی اس تبدیلی کو مذہبی توجیہات بیان کی ہیں۔ مصنفہ اس تناظر میں جنت میں حضرت آدمؑ و حواؑ کا قصہ بیان کرتی ہیں کہ انسان فرشتوں کی طرح نیک تھا۔ ابلیس کے کہنے پر انسان بہکا اور پھر اس کے اندر حق و باطل کی جنگ جاری ہوئی۔ تمام مخلوقات میں یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ اپنی سرشت کو پاک صاف کر سکتا ہے۔ اپنی ذات کی ابدیت کی خواہش اور ناپائیداری کا احساس بھی دیوانگی کی ایک وجہ ہے۔ انسان اس دیوانگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر مختلف سوالات اٹھاتا ہے اور لامتناہی تجسس اور جستجو اُسے آگے سے آگے بڑھنے پر مجبور کرتی ہے اور ان سوالات کے ناتسلی بخش جوابات پا کر انسان کے اندر احساس محرومی، ذہنی کش مکش اور فکری کج آرائی پیدا ہونے لگتی ہے۔ بے نام جستجو اور لگن نے اس دیوانگی کی حد تک پہنچا دیا ہے اور اسے بعض اوقات یہ بات بھی معلوم نہیں ہوتی کہ اُسے جستجو کس چیز کی ہے۔ وہ کسے تلاش کر رہا ہے۔ پہلے دور کا انسان یا اپنی ذات کو تلاش کرتا تھا یا خدا کو جب کہ موجودہ دور کے انسان کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ اسے خود کا بھی احساس نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے کیوں کہ جس قسم کی وہ دیوانگی اور عشق لاحاصل سے آزار میں مبتلا ہے اس نے اسے اخلاقی پستی، ذہنی کش مکش اور گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ انسان کی مادیت پرستی کو ختم کر کے اُسے روحانیت کی طرف مائل کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اس اخلاقی زوال سے نکل کر اپنی روح کی تسکین کا سماں ڈھونڈ سکے۔آج کے انسان کی زخمی روح کے علاج کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ دیوانگی اس کے جسم کو لاغر کرنے کی بجائے اسے مثبت راہوں پر گامزن کر سکے۔ ناول میں افراہیم آنے والی نسل کی نشان دہی ہے کہ منفی دیوانگی کو کس طرح مثبت دیوانگی میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ آج کے دور کے انسان کو اپنی روحانی جڑیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے انسان کو تصوف اور روحانیت کے سفر کو جاری رکھنا پڑے گا۔ ناول میں مصنفہ نے آج کے دور کے انسان کو عشق لاحاصل، دیوانگی، رزقِ حرام کا مرتکب ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا دکھایا ہے تو دوسری طرف اس کی ضمیر کے جاگنے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ انسان کے ارتقا کے سفر کی کہانی کو موجودہ دور تک آتے آتے جن مراحل سے گزرنا پڑا ہے مصنفہ نے اس ساری تفصیل کو بڑی فلسفیانہ بحثوں سے خوب بیان کیا ہے۔زندگی کے میدان میں خیر و شر کے میدان میں برسرِ پیکار انسان کے نظریات، اس کی سرشت کا رد و بدل، مادیت کا عروج و زوال اور انسان کے داخلی انتشار اور نفسیاتی و جنسی الجھنوں کو مصنفہ نے فلسفیانہ اندا زمیں بیان کر کے انسان کی روح کا روحانی علاج تلاش کر کے اس کے ارتقا کی کہانی کو بیان کیا ہے جس کے نتیجہ میں کہہ سکتے ہیں کہ ''راجہ گِدھ'' ایک فلسفیانہ ناول ہے۔

حوالہ جات:

(۱) محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص:۳۱۲

(۲) نیلم فرزانہ، اردو ادب کی خواتین ناول نگار، لاہور: فکشن ہائوس، ۱۹۹۲ء، ص:۳۰۹۔۳۱۰

(۳) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، لاہور: اردو اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص:۱۹۶

(۴) سلیم اختر، ڈاکٹر، داستان تنقیدی مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص:۱۲۴

(۵) بانو قدسیہ، راجہ گِدھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص:۱۲

(۶) ایضاً، ص:۱۳

(۷) ایضاً، ص:۵۹

(۸) نعیم مظہر، ڈاکٹر، اردو ناول : تفہیم و تنقید، اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص:۱۸۴

(۹) بانو قدسیہ، راجہ گِدھ، ص:۲۷۹

(۱۰) ایضاً، ص:۱۲۰

(۱۱) ایضاً، ص: ۱۸۰

(۱۲) ایضاً، ص:۱۴۹

(۱۳) ایضاً، ص:۳۱۶

(۱۴) ایضاً، ص:۴۰۲

(۱۵) ایضاً، ص:۳۱

(۱۶) ایضاً، ص:۳۲

(۱۷) ایضاً، ص:۷۶۔۷۷

(۱۸) ایضاً، ص:۸۱

(۱۹) ایضاً، ص:۹۰

(۲۰) ایضاً، ص:۱۶۵

(۲۱) بانو قدسیہ، راجہ گِدھ، ص:۳۷۴

(۲۲) ایضاً، ص:۴۵۱

(۲۳) ایضاً، ص:۴۵۲

(۲۴) ایضاً، ص:۴۵۳

/....../